''سوادھس تھانہ دوسرا چکر ہے۔ اس کی چھ سرخ پنکھڑیاں ہیں۔ درمیان میں ایک سفید ہلال ہے اور پانی کے عنصر کی علامت ہے۔ یہ آلات تناسل کی جڑ میں ہوتا ہے اگر یہاں دھیان لگایا جائے تو انسان ostral worlds میں بسنے والوں سے رابطہ قائم کرسکتا ہے۔''

اب عابدہ مکمل طور پر مجھ سے علیحدہ ہو چکی تھی۔

''آج صبح میں ہسپتال گئی تھی' ڈاکٹرنی کہنے لگی۔ تم میں کوئی نقص نہیں۔ تم اپنے میاں کو لاؤ..... بتاؤ قیوم وحید مانے گا اس بات پر؟''

ہمیشہ کی طرح ہم دونوں الگ الگ پٹڑی پر چلنے لگے۔

''ناف کے پیچھے ایک سرخ نارنجی تکونی ہے۔ صاحب نظر لوگوں کو اس مقام کا رنگ گھنیرے بادلوں جیسا نظر آتا ہے۔ اس کے وسط میں نارنجی سرخ رنگ کا تکون ہے جس کے تینوں طرف سواستکا کا نشان ہے۔ یہ جگہ آگ کے عنصر سے مطابقت رکھتی ہے۔ اس جگہ کو منی پورا کہتے ہیں اور اس solar plaxus پر توجہ رکھنے سے انسان پر دوسرے لوگوں کی شعوری اور غیر گھتیاں آپ آپ کھلتی جاتی ہیں۔ اسی مقام پر دھیان لگانے والے جلتی آگ پر چلنے کی شکتی رکھتے ہیں۔''

''تم میری بات کیوں نہیں سنتے؟''

''تم بھی تو میری بات سنو ناں.....'' میں نے ضد سے کہا۔

''تم کو تو کچھ کر دیا ہے اس چنڈالنی سیمی نے۔''

''تم کو بھی کچھ ہو چکا ہے لیکن میں نہیں جانتا کرنے والا کون ہے؟''

''سنو قیومی!''

'دسنو عابدہ! ..... میں جستجو کی بات کر رہا ہوں اپنی جستجو ..... اپنی بقا کی ..... انسان کو تلاش ہے..... اپنی ..... اپنے خدا کی۔''

'بقا تو صرف بچے میں ہے قیومی..... جن کے بچے نہیں وہ مر جاتے ہیں جن کے

لیے بچے ہوتے جاتے ہیں وہ زنجیر میں پروئے جاتے ہیں ان کا نام رہتا ہے نسل رہتی ہے۔"

"تم صرف جسم کے بقا کی سوچتی ہو۔"

"جسم نہ ہوا تو روح کس مکان میں رہے گی..... ہمارا تو بوٹا ہی نہ لگا..... لاکھ دفعہ کہا میں نے وحید سے کہ تم علاج کروالوں..... پر مانے بھی وہ خبیث۔"

"سنو عابدہ..... جب کنڈالنی چوتھے چکر میں پہنچتی ہے تو اسے اناہاتا کہتے ہیں۔ یہ دل کا کنول ہے۔ اس کا رنگ گہرا سرخ ہے۔ اس میں عارفانہ بارہ ستے ہیں۔ اس کنوں کے وسط میں دو تکون ہیں۔ اس میں ہماری ذات چراغ کے شعلے کی طرح رہتی ہے یہ شعلہ آبشاروں جیسی ہے یہاں شہد کی مکھیوں کی بھنبھلاہٹ چاندی کی زنجیریں' سر کی ہوئی بانسری گھنٹیاں..... بڑے بڑے ٹمک اور مرونگ بجتے ہیں۔ کائنات کی صدا یہاں سے آسکتی ہے۔ ہوا کے عنصر پر اس کا مدار ہے۔ اگر آدمی یہاں دھیان لگائے تو اس میں کئی روپ دھارنے کی شکتی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ کائناتی محبت پانے والا بن جاتا ہے۔ اسی راستے پر وہ نروان بھی حاصل کر سکتا ہے۔"

"اور میں تم کو کیا بتا رہی ہوں۔؟ ڈاکٹرنی کہہ رہی تھی۔ دو تین معمولی ٹیسٹ ہیں۔ کوئی تکلیف بھی نہیں ہوگی..... لیکن وحید کو رضامند کون کرے گا..... میں بھابھی صولت سے کہوں؟..... بتاؤ ناں؟"

مجھے وحید اور وحید سے جنم لینے والی اولاد میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔

"ریڑھ کی ہڈی کے راستے ہم پانچویں چکر پر پہنچتے ہیں۔ اسے وشودھا کہتے ہیں۔ یہ طاہر' طیب پاک مقام ہے۔ یہاں سے ازلی علم حاصل ہوتا ہے۔ یہ گلے میں جہاں ریڑھ کی ہڈی دماغ سے ملتی ہے۔ واقع ہے۔ اس چکر کی روشنی پورے چاند جیسی ہے جو بھی thyrird glands پر توجہ دے وہ جوگیوں میں شہزادہ بن کر

رہے گا اور عقل و دانش میں مقدس علم کا پاسبان ہوگا۔"

"اگر بالفرض وحید نہ مانے..... تو یہ بتاؤ مجھے طلاق لے لینا چاہیے ناں؟ اس کی وجہ سے میں بچے کے بغیر کیوں رہوں؟"

"عین دونوں ابروؤں کے وسط میں جہاں کائناتی مشاہدے کیلئے تیسری آنکھ ہے۔ یہاں چھٹا چکر ہے۔ سردیوں کے چاند جیسی روشنی سے منور یہاں دو بڑے بڑے پنکھ ہیں۔ جو سچائی کا مظہر ہیں۔ یہاں پر دھیان کرنے والے کو اس کے سچے گرو کی آواز آنے لگتی ہے۔"

جب پران جسم چھوڑتے ہیں تو اس جگہ دھیان لگانے والے کی روح پچھلے تمام جنم کے کرموں سے آزاد ہو کر خالق سے جا ملتی ہے' یہ وہی جگہ ہے جہاں pitutay gland ہے۔"

"تم کو..... سوائے اپنے کسی کی پروا ہے..... قیومی؟"

"نہیں۔"

"تم کیا سمجھتے ہو میں یہ تمہاری بکواس سن رہی ہوں؟"

"نہیں۔"

"پھر نعوذ باللہ کیوں ایسی بکواس کر رہے ہو۔"

"شاید..... کہیں سکون ہو..... تلاش سے..... جستجو سے..... شاید کہیں ان سوالوں کا جواب ملے جو میرے دل میں رات کے وقت آتش بازی کی طرح چھوٹتے ہیں۔"

"آیۃ الکرسی پڑھ کر سویا کرو ہر رات"

"آخری چکر..... کنول کا ایسا پھول ہے جس کی ایک ہزار پتیاں ہیں۔ یہاں شکتی اور شوا کا میل ہوتا ہے..... اجتماع ضدین ہوتا ہے۔ چاند سورج کا ملاپ' بجلی اور مقناطیس کا سنجوگ..... یہ سر کا قطبی حصہ ہے..... اور نچلے چھ کے چھ چکر اس کے تابع

ہیں..... ایک رنگت شروع شروع میں زرد ہوتی ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ ہیرے جواہرات کی طرح چمکنے لگتی ہے جو شخص کنڈالنی کے اس مقام پر قابض ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے دو موہے دشمن پر قابو پالیتا ہے۔"

"دشمن کون؟"

"وقت اور موت!..... یہ دنوں پھر ایسے تنترک کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

اس وقت عابدہ پلنگ سے دوبارہ اٹھی۔ اس کی جھولی سے مونگ پھلیوں کے چھلکے خزاں کے پتوں کی طرح ایک بار پھر گرے..... اونچی قمیض تلے کا سنی شلوار کا پورا گھیر گنبد پر چڑھے غلاف کی طرح نظر آیا۔

"تم واقعی پاگل ہو گئے..... خدا قسم کیا بک رہے ہو۔"

"تم شکتی ہو..... شکتی عابدہ!..... تمہارے ملاپ سے مجھے اپنی روح کا نروان..... میرا خدا مل سکتا ہے..... میری لامتناہی تلاش ختم ہو سکتی ہے' تمہاری آرزو کی تکمیل ہو سکتی ہے..... تم ماں بن سکتی ہو..... ماں۔" میں نے اسے لالچ دیا۔

پھر منت کے انداز میں مقدس گنبد پر ہاتھ رکھا..... پتہ نہیں عابدہ کیوں خاموش بیٹھ گئی۔

اس کی آنکھوں میں بڑی حیرانی تھی۔ اس نے آہستہ سے کہا..... تم چاہتے ہو میرے بچہ ہو قیوم..... سچ؟..... سچ؟..... بتاؤ تمہیں ترس آ رہا ہے ناں مجھ پر۔"

.....

شکتی اور شوا کا میل میری کنڈالنی کو اپنے سفر پر روانہ کر سکا۔ میری کنڈالنی حسب عادت ناف سے کہیں نیچے بیٹھی رہی پھنکارتی رہی۔ ریڑھ کے سفر پر ماڑو کے پہاڑ پر چڑھنے سے اس نے انکار کر دیا۔ لیکن بیکار جستجو کا ایک دروازہ کھول کر میں نے پہلے سے ٹنڈ منڈ درخت کو سردیوں کی یخ ہواؤں کے سپرد کر دیا۔ دیوانگی کی ایک اور سمت مجھ پر کھل گئی۔

اس سے پہلے عابدہ اپنے شوہر کی گفتگو کرتی رہتی تھی مجھے سیمی کے واقعات کے اعادے کا جنون تھا۔ میں وقت اور موت کو گفتگو میں بند کر کے گھڑی پیچھے کی طرف چلانا چاہتا تھا۔ ہم دونوں کا نقطہ اتصال کوئی نہ تھا شاید ہم دونوں ایک دوسرے سے ہمدردی چاہتیت ھے۔ لیکن اس روز کے بعد ہماری گفتگو ہمیشہ شارٹ سرکٹ ہو جاتی۔ اب ہم میں ہمدردی تو کیا ایک دوسرے سے نگاہیں چار کر کے خدا حافظ کہنے کی ہمت بھی باقی نہ رہی تھی۔

سہیل کی باتوں سے قطع نظر اپنی بے چینی اور لایعنی جستجو کے علاوہ ایک اور وجہ بھی تھی، جس نے مجھے عابدہ سے رابطہ قائم کرنے پر مجبور کیا۔ مرد کے جنسی سیلز کے اندر جو تنوع موجود ہے اس کی وجہ سے وہ ہمیشہ کھجل ہوتا ہے۔ اس کے صنفی تخم کے اندر x اور Y کا جو تضاد موجود ہے۔ اس کی وجہ سے جنس کے معاملے میں وہ عورت کی طرح یک طرفہ اور شانت نہیں رہ سکتا۔ اس کے جنسی سیل سے چونکہ لڑکے اور لڑکی کا متفرق تعین ہوتا ہے۔ اسی لیے وہ اپنے جنسی فعل میں بھی کبھی یک رخا نہیں بن سکتا۔ ہمیشہ دوشاخے کی طرح کٹ جاتا ہے۔

جنس کے راستے پر عورت کبھی خوار نہیں ہوتی۔ وہ ہمیشہ محبت حاصل کرنے کے لیے آتی ہے اور بچہ حاصل کر کے واپس چلی جاتی ہے۔ مرد اپنے آپ سے آزاد ہونے کے لیے عورت سے ہمکنار ہوتا ہے اور ہمیشہ کے لیے دو حصوں میں بٹ جاتا ہے YیاX..... بیٹا یا بیٹی..... ذات یا خدا..... فنا یا بقا..... اپنی بقا کی کوشش میں کئی بار وہ اپنی فنا سے بغلگیر ہو جاتا ہے۔ اسی جنسی جرثومہ کے تنوع کے باعث کبھی کبھی لا تعلق حالات میں بھی وہ تعلق پیدا کرنے پر مجبور ہوتا ہے..... کیونکہ اس کے صنفی تخم کے اندر..... مرد اور عورت دونوں موجود ہوتے ہیں۔ اسی لیے کبھی تو وہ جغرافیائی قرب کے باعث عورت سے رابطہ قائم کیے بغیر رہ نہیں سکتا..... کبھی وہ موسموں کی رومانیت کا شکار ہو جاتا ہے۔ کبھی وافر وقت کا بہتر مصرف نہ پا کر کسی نہ کسی کے

قدموں میں جا گرتا ہے..... کبھی اس کے جرثومہ کا مرد اسے عورت کی طرف کھینچتا ہے کبھی اسی جرثومہ کا مرد اسے عورت کی طرف کھینچتا ہے کبھی اسی جرثومہ کی عورت اپنی ہم جنس کی تلاش میں نکلتی ہے۔ کیونکہ اس کے صنفی تخم کے اندر سائیکی کے دو مختلف روپ رہتے ہیں۔

مرد کا روپ..... عورت کا روپ..... یہی تنوع ہمیشہ کی جستجو کا باعث بنتا ہے..... اسی جستجو نے مجھے عابدہ پر..... شبخون مارنے کے لیے اکسایا۔

پہلے عابدہ کچھ اور تھی اس واقعے کے بعد اس نے مونگ پھلیاں کھانی چھوڑ دیں اور اٹک اٹک کر باتیں کرنے لگی۔ شاید وہ اس نئے رابطے کو گناہ سمجھتی تھی۔ لیکن ہم کرگس جاتی کے لوگوں پر مردہ تعلقات احساس جرم پیدا نہیں کر سکتے۔ عابدہ جو شکتی روپ تھی۔ اس کے ملاپ سے مجھ پر یہ حقیقت کھلی کہ جسم روح کو دغا دینے کے لیے کئی بھیس بدلتا ہے۔ وقتی طور پر کبھی کبھی جسم کامیاب بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن روح کو ہمیشہ کے لیے جل دینا ممکن نہیں۔ روح کو محبت صرف اس وقت ہوتی ہے جب دو انسانوں کی سائیکی ایک دوسرے کی تلاش میں نکلتی ہے۔ ایسی صورت میں نہ وصل میں بوریت ہوتی ہے نہ ہجر میں اشتیاق بڑھتا ہے۔ سائیکی کی محبت بھوک کی جنسی کشش کی جبلت سے مشابہ نہیں ہوتی کہ سیر ہونے پر مونگ پھلی کے چھلکوں کی طرح محبوب بھی بیکار ہو جائے۔ وہ تو بھاری گھنیرے بادلوں کو اڑانے والی ہوا ہوتی ہے۔ جو جسم کا بوجھ ساری عمر اٹھائے لیے پھرتی ہے۔ جسم اور بادل کثیف ہوتے ہیں۔ محبت اور ہوا نظر نہیں آتیں۔ لیکن ان کا لطیف بہاؤ سمت بدلتا اور رفتار مقرر کرتا ہے۔ ہر قسم کی شدت تندی' طاقت کو ان میں جنم دیتا ہے۔

محبت اور ہوا غضب ناک ہو کر چاہے کیسی بھی تندی کیوں نہ اختیار کر لیں۔ لیکن جسم اور بادل کی طرح کثیف نہیں ہو سکتے۔

عابدہ اور میں ایک دوسرے کی طرف اس لیے بڑھے تھے کہ شاید ہم دونوں اپنی

فنا سے ڈرتے تھے۔ میں یسی میں مرنا نہیں چاہتا تھا۔ عابدہ بچے کے بغیر اپنا سلسلہ منقطع ہوتے دیکھ رہی تھی۔ ہم دونوں خوفزدہ تھے۔ اپنی اپنی فنا سے.....

لیکن جسم میں پناہ ڈھونڈنے والے اکثر اوقات تلاش کا شکار رہتے ہیں۔ وہ کبھی فیصلہ نہیں کر پاتے کہ وہ موت سے محبت کرتے ہیں کہ زندگی سے.....

اسی لیے ہم دونوں دو طاقے دروازے کی مانند رہے۔ کنڈی لگی رہی تو ایک..... ورنہ دونوں پٹ علیحدہ علیحدہ رہے۔ آندھیوں میں بج اٹھنے والے..... دیواروں سے چمٹے ہوئے۔

.....

اب عابدہ ناغے ڈال کر اوپر آنے لگی۔

جب وہ کمرے میں داخل ہوتی تو اس کے پورنماشی چہرے پر آنکھوں کی کھڑکیاں بند ہوتیں۔ ہونٹ لپ سٹک کے باوجود پرانے پردوں کی طرح بے رنگ نظر آتے وہ کبھی سلاخوں والی کھڑکی کے سامنے میری طرف پیٹھ کر کے کھڑی ہو جاتی۔ کبھی دیوار کے ساتھ بایاں کندھا لگا کر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کی کوشش کرتی۔

بچپن سے جو میخیں اس کے کلچر، مذہب ماحولیات نے اس کے ذہن میں ٹھونکی تھیں۔ بالآخر اس کے ذہن کے تختے کا حصہ ہو چکی تھیں۔ اگر ہم دونوں کو ایک دوسرے سے محبت ہوتی تو اور بات تھی۔ لیکن ہم دونوں تو اپنی اپنی تلاش کے باعث ہمسفر ہوئے تھے۔ اس لیے اب فقط احساس گناہ، اور خود شکستگی باقی تھی۔

میں بھی عجیب قسم کے بوجھ تلے دبنے لگا تھا۔

لیکن خدا جانے وہ کیا کائناتی عمل ہے جو کبھی کبھی بڑے بڑے بوجھ بہت چھوٹے سے لیور سے اٹھا لیتا ہے۔ جیسے بھاری تھری ٹنر ٹرک چھوٹے سے جیک پر اٹھ جاتا ہے اور پنکچر سٹپنی بدلنے کی آسانی مہیا آتی ہے۔ جب کبھی Ancient mariner

کی نظم پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ یہ دیکھ کر مجھے بڑی کوفت ہوئی کہ احساس گناہ تلے دبے ہوئے بحری قزاق کو اس وقت تو رہائی نہ ہوئی جب اس نے موت اور زندگی جیسے مافوق الفطرت کردار دیکھے' لیکن چھوٹے چھوٹے دریائی سانپ دیکھ کر وہ الوہی طاقتوں کے سامنے سرنگوں ہو گیا۔

شاید زندگی کے تمام اہم واقعات قد میں ہمیشہ چھوٹے ہوتے ہیں..... ماں کا مرنا سیمی کی موت' چندرا گاؤں کا چھوٹنا' یہ بڑے سانحے تھے۔ جیسے شہر بمباری کے بعد تابہ ہوتے ہیں۔ لیکن جنگ دیدہ شہر بڑی شان کے ساتھ سرعت سے جلد ہی تعمیر ہو جاتے ہیں ہر ٹیکسلا' دلی' لاہور' ہیروشیما بڑی جلدی مرمت ہو جاتا ہے لیکن چھوٹے واقعات گھن کی طرح ہوتے ہین۔ وہ اندر ہی اندر قد آور درختوں کو دیمک کی طرح کھوکھلا کر دیتے ہیں۔ لہلہاتے کھیوں میں کلر کی طرح بڑھتے ہیں۔ جو شہر دریاؤں کے پاس آباد ہوں اور دریا ہولے ہولے کروٹیں لیتے رہیں۔ ایسے شہر ہولے ہولے ہی برباد ہو جاتے ہیں اور پھر کبھی آباد نہیں ہوتے..... ان کے اردگرد بے آب و گیاہ ریت پھیل جاتی ہے۔

ماں کا مرنا بڑا واقعہ تھا..... لیکن اس کے اردگرد پھیلے ہوئے چھوٹے واقعات بڑے اہم تھے۔

ماں کا مرنا ایسے زلزلے سے مشابہ تھا جس کے ساتھ اونچی عمارتیں ماتھا جوڑ کر پھٹ جاتی ہیں۔ سڑکوں میں چھتنارے..... درخت دھنس جاتے ہیں۔ لاوا اژدہے کی طرح لاوارث پھرتا ہے..... لیکن زلزلہ لمحوں کی بات ہوتی ہے..... ماں کا مرنا ایسے ہی تھا۔ ہزاروں واٹ کی بجلی گری اور بھسم کر گئی..... لیکن ماں کے مرنے سے کچھ سال ادھر کے کئی چھوٹے چھوٹے واقعات اس کے مرنے کے ساتھ ہی اہم ہو گئے۔ جیسے ٹائیفائڈ مرض کے بعد برسوں سر پر بال نہ اگیں۔ بغیر تلے کی جوتی میں چلنے کی وجہ سے کیکر اور ببوں کے کانٹے پیروں میں چبھ جائیں اور کئی شامیں کئی

راتیں اپنے جسم کو سوئی سے پپو لتے نکلیں۔

میرے باپ کا گھرانہ بڑا شان والا تھا۔ چند راتیں ہماری حویلی سارے علاقے میں مشہور تھی۔ ننک طوطے ابا کا سارا خاندان فیوڈل تھا۔ اسی لیے ماں کا میکہ گمنام رہا۔ ہم ماں کے کسی رشتہ دار کو نہ جانتے تھے۔ وہ حویلی میں اپنی کلب کی اور خاندان کے اندر ابا کی رعایت سے بڑی چودھرائن تھی۔

لیکن جب ماں بیمار پڑی اور گھر سے بھیڑ کم ہونے لگی تو مجھے پتہ چلا کہ وہ قصور جا کر اپنے مائیکہ گھر میں مرنا چاہتی تھی۔ باپ کو ماں کی اس آرزو پر منطقی طور پر کوئی اعتراض نہیں تھا، لیکن ساری بات غیرت کی تھی۔ ہمارے گھر کی کوئی بھی بڑی سیانی اپنے میکہ گھر میں فوت نہیں ہوئی تھی.....

یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب ماں کو عصر کے وقت ہلکا ہلکا بخار رہنے لگا۔ وہ آنگن کے بڑے پیپل تلے نواڑی پلنگ کو گھسیٹتی رہتی، جدھر جدھر سورج چلتا ادھر ہی کو اس کا پلنگ کھسکتا جاتا، حتی کہ سورج غروب کے وقت اس کی چارپائی عین ان سیڑھیوں سے جا لگتی جو حویلی کی دوسری منزل کو جاتی تھیں۔

سردیوں سے ہوتا ہوتا بخار گرمیوں میں بھی رہنے لگا۔ اب ماں چھاؤں کی تلاش میں چارپائی کھسکانے لگی۔ جس وقت سورج پھیکا پڑ کہہ اندھا ہو جاتا، وہ پیپل کے تنے تلے عین گھڑونچیوں کے پاس چارپائی کھسکا کر پڑ رہتی۔ اب بھی آنگن میں شام کے وقت میلہ سا لگا رہتا تھا، ماں کی طبعیت کا پوچھنے دو آتیں تو چار اٹھ کر چلی جاتیں، لیکن اب ماں کی کھنک دار آواز نہ آتی..... قیومی مختار..... بیٹا سروئی پی لو..... پھر مغرب کا وقت ہو جائے گا۔ میری نماز کھنج جائے گی کاکا۔"

اب کوئی نہ کوئی ہمیں سروئی کے گلاس پکڑا دیتا، پھر خالی گلاس گھڑونچی پر پڑے رہتے، رین بسیرے والی چڑیاں گھنیرے درخت میں اس قدر شور مچاتیں کہ جی ڈرنے لگتا لیکن ماں آنکھیں موندے چپ چپ پڑی رہتی۔ اب اسے نماز کے قضا

ہونے کا بھی کوئی فکر نہ تھا۔

چڑیوں کا بلبلانا ایک چھوٹا سا واقعہ بن گیا تھا۔ ان کی تصویر کے اوپر مغرب کی اذان سوپر امپوز ہو جاتی۔ گرمیوں میں دن کا یہ پہلا ٹھنڈا پہر ہوتا۔ لیکن پتہ نہیں کیوں میرا جی چاہتا کہ دوپہر چڑھی رہے..... دوپہر کے وقت ہی یہ ڈر نہیں ہوتا تھا، مکہ ماں کہیں جا سکتی ہے..... لیکن مغرب کے وقت پتہ نہیں کیوں کئی قسم کے خوف مجھے گھیر لیتے، مجھے لگتا کہ شاید اسے جھٹپٹے میں ماں چھپ چھپا کر غائب نہ ہو جائے۔

ماں کے مرنے سے کچھ دن پہلے ایک اور بڑا معمولی واقعہ پیش آیا۔

اس روز ماں کو اس کی سہیلی اصغری اور میراثن برکتے نے غسل کرا کے پھیکے سبز رنگ کا سوٹ پہنایا تھا۔ نومبر کی دھوپ ابھی آنگن میں تھی، وہ دونوں ماں کو سہارا دے کر باہر لا رہی تھیں اور میں اوپر جانے والی سیڑھیوں پر گنا گود میں لیے بیٹھا تھا۔ چلتے چلتے میں ماں کی آنکھیں تھیں۔ اس کے ہونٹ یوں جڑے تھے جیسے درد کو باہر نکل کر واویلا مچانے سے روک رہے ہوں۔

اس سے پہلے ماں کے کانوں میں کئی بالیاں تھیں لیکن آج اس کے تمام کان خالی تھے۔ یہ میرے لیے ایک اور چھوٹا سا واقعہ تھا۔ میں بغیر بالیوں والی ماں کا عادی نہیں تھا۔ نومبر کی دھوپ میں پلنگ پر بیٹھی میری ماں کا رنگ سوجی کی مانند پھیکا نظر آ رہا تھا۔ پھر ککے زین اصغری نے ماں کی چٹیا کھینچ کر بنائی، اس کے بال اتنی سختی سے مٹھی میں لیے کہ ماں کی بادامی آنکھیں چینی نظر آنے لگیں۔ کچھ دیر تک وہ دونوں مٹھی چاپی کرتی رہیں اور جب عصر کی اذان ہو گئی تو ماں کی ملتانی کھیس اوڑھا کر چلی گئیں۔

اس وقت میں ڈرتے ڈرتے ماں کے پاس گیا۔ چڑیوں کے آنے سے پہلے مجھے چڑیوں کے بلبلانے سے خوف آتا تھا۔

''تیری بالیاں کہاں ہیں ماں؟''

ماں نے بڑی مشکل سے پلکیں اٹھائیں دونوں آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی

تھیں۔

''کون ہے؟''

''میں ہوں قیوم..... قیومی۔''

ماں نے آنکھیں بند کرلیں اور آنسو اس کے کانوں کی طرف بہنے لگے۔

''پتہ نہیں تو کب جوان ہوگا..... کتنی دیر لگادی تو نے جوان ہونے میں۔''

''ہم دونوں جوان ہیں..... دیکھ تو سہی''..... میں نے گاؤں میں سن رکھا تھا کہ ماؤں کو بیٹوں کی شادی کا بہت شوق ہوتا ہے۔

''تو ہماری شادی کرنا چاہتی ہے تو کردے۔''

وہ مسکرادی۔

ایک اور چھوٹا سا واقعہ۔

اس روز کی مسکراہٹ کے بعد پھر میں نے ماں کو مسکراتے نہیں دیکھا۔

''کتنے ہی سال سسرال میں رہو۔ کتنے ہی بچے جنو..... کیسے کیسے کاج سنوارو، کوئی اپنا نہیں ہوتا۔ سسرال میں تو شوہر بھی اپنا نہیں ہوتا۔ دوسروں کا گلہ کیسا؟ چونکہ اس وقت میں صرف ساتویں میں پڑھتا تھا اور پوری طرح شادی کے قابل نہیں ہوا تھا، اس لیے میں رونے لگا۔ میں ماں کی باتیں نہیں سمجھ رہا تھا۔ صرف ماں کی آواز میں اس کے دکھ تلے ماں کو پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔

''جب تو جوان ہوجائے گا تو اپنے مامے کے پاس جانا..... منظور الٰہی قصوری۔ کے پاس۔

پہلی بار میں نے اپنے ماموں کا نام سنا۔

''تو مختار بھائی کو بھیج دے قصور..... وہ تو بی اے میں پڑھتے ہیں جوان ہیں، ہاں جوان ہے لیکن وہ اپنی دادی کی گود میں پلا ہے۔ جہاں کہیں وادی کا بیر ہے وہاں مختار نہیں جاسکتا۔''

تو مجھے مامے منظور کا پتہ بتا دے میں چلا جاؤں گا۔ کل سویرے سہی۔''

''لاریوں کے اڈے سے بلھے شاہ کے مزار کا پوچھ لینا۔ باہر والی گول سڑک پر بلھے شاہ کے مزار کے سامنے بازار کو ایک راستہ جاتا ہے..... بازار کی طرف مت مڑ جانا۔ بس گول سڑک پر رہنا۔ ایک بڑا سا احاطہ نظر آئے گا۔ بڑے پھاٹک سے کوئی سو گز کے فاصلے پر۔ یہ احاطہ میرے بھائی کا ہے، جس روز میں گھر سے نکلی تھی اس روز اس پھاٹک پر مراثی سہرے لگا کر گئے تھے۔ میری بھابی کے لڑکا ہوا تھا، اس روز پتہ نہیں اب تو وہ جوان ہو گیا ہو گا۔

''تو..... کیوں نکلی تھی ماں..... دیہات میں ہم بڑ کے لوگ نکل جانے کو اچھی طرح سمجھتے تھے''۔

بڑے قحط کا سال تھا۔ بارش کا قطرہ نہ برسا تھا اور بھادوں کا مہینہ تھا جا لگا تھا، درختوں پر مٹی جمی تھی۔ سڑکیں راکھ جیسی ہو گئی تھیں۔ میں چوبارے میں رہتی تھی، بھابی کے ساتھ اور سارا دن بلھے شاہ کے مزار کی طرف منہ کر کے اس کے بچوں کو کھلایا کرتی تھی..... تین بچے تھے میری بھابھی کے..... سب کو میں نے گودی کھلایا تھا۔

مامے منظور کو بلا لاؤں ماں۔'

''ناں ناں اس کا نام بھی مت لینا حویلی میں۔ تیرا باپ ناراض ہو جائے گا۔''

اس سے پہلے کبھی ماں کے منہ سے میں نے مامے منظور الٰہی کا نام بھی نہ سنا تھا۔

''اس روز سارے قصور پر مٹی کا بادل چڑھا تھا۔ قوال بلھے شاہ کے مزار پر چوکی بھر رہے تھے۔ میں تیسری منزل پر کھڑی کبوتروں کو باجرہ ڈال رہی تھی، پتہ نہیں قوالوں کی آواز میں کچھ تھا کہ آسمان چڑھی ہوئی مٹی میں کوٹھے سے اتری۔ بڑے پھاٹک سے نکلی اور مزار پر چلی گئی۔''

میں چپ چاپ ماں کے پاس کھیس کے اندر گھس کر لیٹ گیا۔ ماں کے جسم سے نما نما سینک نکل رہا تھا۔

قوالوں سے آگے چھوٹے برآمدے میں ستون کے ساتھ سر لگائے تیرا باپ بیٹھا تھا تیرا باپ بڑے سماں کہتا رہا کہ اس وز بلھے شاہ کے مزار پر اس کی دو دعائیں ایک ساتھ پوری ہوئیں۔"

"کون سی دو دعائیں؟"

"اس روز میں مزار سے گھر واپس نہیں گئی..... میری کون سی ماں تھی گھر پر جس سے میں اجازت لینے جاتی..... جب ہم چندرا میں داخل ہوئے تو بڑی ٹکویں بارش ہو رہی تھی۔ تیرے ابے نے تب مجھے بتایا کہ وہ بلھے شاہ کے مزار پر بارش کے لیے دعا کرنے گیا تھا۔

تو..... اپنے گھر واپس کیوں نہیں گئی ماں بول..... بتا۔"

میں نے دونوں ہاتھوں میں ماں کا چہرہ لے کر پوچھا۔

دیکھ کسی سے یہ بات کرنا نہیں اچھا تیرا ابا ناراض ہو جائے گا..... وہاں میرا اپنا کوئی نہیں تھا ناں..... نہ ماں نہ باپ..... پر یہاں اتنے سال سسرال رہنے کے بعد پتہ چلا..... وہاں منظور الٰہی تو تھا ناں۔

اس کے بعد میں نے ماں کو بہت بلانا چاہا، لیکن وہ میری طرف پیٹھ کر کے ہولے ہولے روتی رہی۔ ماں کے مرنے سے بھی زیادہ اس چھوٹی سی شام نے مجھے اپنے اندر گھول لیا تھا، ماں کے مرنے کے بعد جب بھی میں لیٹتا مجھے یوں لگتا جیسے اب بھی وہ میری طرف پیٹھ کیے آہستہ آہستہ سسکیاں بھر رہی ہے۔

جس روز ماں کا چالیسواں تھا، اس سے ایک رات پہلے میں نے چندرا کو چپکے سے خدا حافظ کہا، آسمان پر دور دور تک مٹی چڑھی تھی، ایک بھی ستارہ نظر نہ آتا تھا اور بلا کی گرمی تھی۔

جس وقت میں قصور کی گول سڑک پر پہنچا تو اس روز بھی بلھے شاہ کے مزار پر قوال چوکی بھر رہے تھے..... آڑھتی منظور الٰہی کا گھر تلاش کرنے میں مجھے ذرا بھی تکلیف

نہ ہوئی احاطے میں داخل ہوا تو ماں کی شکل کا ایک بوڑھا اندر سے وضو کا پانی کہنیوں سے پونچھتا ہوا باہر نکلا۔ اس نے لمہ بھر کو مجھے دیکھا۔ ٹھٹھکا اور میرے گلے لگ گیا۔

''کیا حال ہے رابعہ کا؟''

'' ماں تو مر گئی۔''

مامے نے میری طرف دیکھا پھر آسمان کی جانب نگاہ دوڑائی ..... اس وقت چڑھی آندھی میں کبوتر چکر لگا رہے تھے۔ مامے نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''کب؟''

بلھے شاہ کے مزار پر قوالوں نے پورے زور سے سر لگائے۔'' ریا میرے اوگن چت نہ دھریں۔

پتہ نہیں وہ مامے منظور الٰہی کے وضو کا چھینٹا تھا کہ اس کے اچٹے ہوئے آنسو تھے کہ بارش کا پہلا قطرہ..... میرے ماتھے پر ٹھنڈی برف کی کنی گری۔ میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔

اس روز پھر بارش شہر کو غرق کرنے کی سوچ میں تھی۔

مامے منظور الٰہی کی ملاقات کتنا چھوٹا سا واقعہ تھا..... لیکن اس نے مجھے پاؤں میں زنجیریں پہنا دیں اور بی اے کرنے کے بعد تک میں چندرا نہ جا سکا۔

.....

عابدہ بہت دنوں کے بعد میرے کمرے میں نظر آئی۔

مجھے کاسنی رنگ کے ہر شیڈ سے نفرت ہے اور وہ سر سے پاؤں تک بیگنی' کاسنی ' کلیجی مائل لگ رہی تھی۔ شاید وہ دیر سے یہاں بیٹھی تھی کیونکہ چارپائی کے نیچے مونگ پھلیوں کے چھلکوں کا ڈھیر تھا۔ میں نے سلاخوں والی کھڑکی میں کھڑے ہو کر تھوک سڑک پر پھینکی۔

''قیوم! بری عادت ہے ہر وقت تھوکنے کی۔''

میں چپ رہا۔

''میری مامی تھیں ایک ان کو ظہارت کی بری عادت تھی۔ پوری پوری بالٹی پانی سے کرتی تھیں۔''

ہاں ہوتے ہیں ایسے لوگ بھی۔''

'' آج بہت دنوں کے بعد عابدہ نے اپنے شوہر کے متعلق باتیں شروع کر دیں۔''

''خدا کی قسم قیوم جیسی خدمت میں نے وحید کی کری ہے ناں ویسی کوئی ماں جنی نہیں کر سکتی..... لیکن اس کو پرواہی نہیں کہ میری گود خالی ہے۔ کہتا ہے بچہ خواہ مخواہ دردسر ہوتا ہے..... کیوں بچہ کوئی دردسر ہوتا ہے؟''

میں..... صرف اس کی زکامی آواز سن رہا تھا۔ متن پر میرے کان نہیں تھے۔

''ذرا بچے کی بات زور دے کر کہہ دوں تو فٹ رونے لگے گا کہے گا تمہیں کیا کوئی جئے یا مرے تمہیں تو بچہ چاہیے بچہ۔''

میں نے سگریٹ کا کش لگایا اور کہا..... ''ہاں یہ تو وہ ٹھیک کہتا ہے..... تمہیں صرف بچہ چاہیے اس دنیا میں۔''

''کیا ٹھیک کہتا ہے قیومی؟۔''

''یہی کہ اگر تمہارا اس سے کوئی رشتہ ہوتا تو تم اس کی تکلیف محسوس کرتیں۔''

پلاسٹک کی انگوٹھیوں والا ہاتھ گھما کر وہ بولی..... '' میں اس کی بیوی ہوں نکاحی ہوں اس سے..... اس سے بڑا رشتہ کیا ہوتا ہے۔''

یہی کہ اگر تمہارا اس سے کوئی رشتہ ہوتا تو تم اس کی تکلیف محسوس کرتیں۔''

''بیوی اور پی اے سے کسی کا کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔ کوئی اچھا پی اے ہوتا ہے کوئی نالائق..... کسی کو شارٹ ہینڈ آتی ہے کسی کو سپیڈ زیادہ ہوتی ہے کوئی چھٹی اچھی

ڈرافٹ کرتا ہے کوئی ن وٹس لینے میں تیز ہوتا ہے۔ ہر آفیسر پی اے کے ساتھ بندھا ہوتا ہے ہر شوہر ان کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہوتا۔ بی بی عابدہ ایک اچھی بیوی ثابت ہوتی ہے دوسری بری۔ اچھی بیوی کھانا پکاتی ہے برتن مانجھتی ہے وقت پڑنے پر پاؤں دباتی ہے۔ چپ رہتی ہے لیکن اسکے ساتھ کبھی اس بیوی سے زیادہ ناطہ نہیں ہوتا جو گھر کے خرچے سے زیور بناتی ہے فلمیں دیکھتی ہے سسرال والوں سے لڑتی ہے۔ نوکر ملازم خدمت گار کے ساتھ تعلق پیدا ہوسکتا ہے لیکن پی اے کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہوتا بیوی بھی اسی ضمن میں آتی ہے۔

یہ یہ یہ تم کیا بک رہے ہو آج ..... دنیا میں ہر رشتہ سگا بھی ہوسکتا ہے اور سوتیلا بھی ..... سگی ماں سوتیلی ماں ..... سگا بھائی سوتیلا بھائی ..... لیکن بیوی ہمیشہ سگی ہوتی ہے کبھی تم نے سنا یہ میری چوتھی سوتیلی بیوی ہے۔

میں نے محض اس کو چڑانے کے لیے کہا ..... سگا سوتیلا ہمیشہ وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں کھرے اور کھوٹے کی پہچان کرانی ہو ..... جہاں رشتہ ہی موجود نہ ہو وہاں سگا سوتیلا کیا معنی؟۔

وہ اپنی پٹڑی پر بولتی چلی گئی ..... اولاد ایک سگی دوسری سوتیلی ..... چاچے تائے کچھ سگے کچھ سوتیلے ..... بیوی پہلی سگی دوسری سگی تیسری چوتھی ..... سب سگی بیویاں۔

میں آج کچھ ضرورت سے زیادہ برہم تھا۔ میں اس سے جھگڑنا چاہتا تھا۔ آج مجھے وہ شکتی سروپ نہیں لگ رہی تھی۔ میں اس کے وجود میں اتر کر تنترا کے سہارے خدا تک پہنچنا نہیں چاہتا تھا۔ اس راستے نے بھی مجھے تسکین دینے کے بجائے الٹا الجھا دیا تھا۔ میں اسے اذیت دے کر دکھ پہنچا کر حلال کر کے سکون سے سگریٹ پینا چاہتا تھا۔

جان من عابدہ بیگم بیوی فقط Catalyst ہوتی ہے۔ سارے اصلی نقلی رشتے بناتی ہے ..... پہلی بیوی کی اولاد ہو تو سب سگے بیٹے بیٹیاں ..... دوسری کے تمام سوتیلے نہ

پہلی کے ساتھ کوئی رشتہ نہ دوسری کے ساتھ۔

وہ رضائی گھسیٹے جا رہی تھی اور اب میں اکڑوں تکیے پر بیٹھا تھا۔

ہے تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے قیوم..... تم ایسی باتیں سوچتے ہو جو مذہب اور شریعت نے حرام کر رکھی ہیں سچی۔

مثلاً۔

رشتہ داری، اللہ رسول کے احکامات ہیں ان کے متعلق..... بیوی بچوں کے حق بندھے ہیں مذہب میں..... جو یہ سارے جھوٹے ہوتے تو شریعت ان کی پابندی کراتی..... اتر کر نیچے بھائی بھابھی سے ملا کرو۔ بچے ہیں ماشاء اللہ ان سے کھیلا کرو۔ ان پر بھی پیار نہیں آتا؟"

نہیں۔"

"توبہ..... ایسے کوئی کہتا ہے..... کہیں بھابھی صولت کے سامنے نہ بکواس کر دینا"۔

"وہ جانتی ہے۔"

ساری بات یہ ہے کہ اس بد بخت سیمی نے تمہارے دماغ میں فتور بھر دیا ہے۔ عشق کا بخار چڑھا ہے تمہیں..... مجھے جو کہیں مل جائے تو الو کی پٹھی کو سیدھا کر دوں۔ خود تو مر گئی اس بیچارے کو ویسے ہی پاگل کر گئی..... اللہ کی شان۔

"کسی نے میری ریڑھ کی ہڈی پر برف مل دی۔

"خبردار پھر کبھی سیمی کو کچھ نہ کہنا۔"

"کہوں گی کہوں گی..... اس نے تمہیں پاگل کر رکھا ہے..... ہائے کبھی مسلمانوں کے لڑکے یوگا کرتے پھرتے تھے؟..... وہ بھی تنتر ایوگا..... نجس ناپاک خیالات اسی نے بسائے تمہارے دل میں اپنے گناہ پر نقاب ڈالنے کو..... تم کسی دماغی امراض کے ڈاکٹر سے ملو قیومی سچ خدا کی قسم! اور توبہ کیا کرو اپنے گناہوں پر۔"

'پھر اس کا نام نہ لینا عابدہ..... میں نے اس کے کندھے پکڑ کر کہا۔

''وہ جو سارا دن تم وحید کی دھجیاں اڑاتے پھرتے ہو وہ ٹھیک ہے۔ آخر میرا مجازی خدا ہے وہ۔''

''ہوگا لیکن میرا مجازی خدا نہیں ہے۔''

ہم دونوں کچھ دیر خاموش رہے اس نے اپنے کندھے میری گرفت سے چھڑانے کی ہلکی سی کوشش کی۔ لیکن میں نے اسے چھوڑا نہیں۔

بڑی دیر بعد میں نے کہا..... ''سچ بولنے کی کوشش کرنی چاہیئے..... لیکن۔''

اس نے مجھے بات مکمل کرنے نہ دی اور بولی..... سچ بولنا کوئی کمال نہیں ہے سچ سننا بڑا کمال ہے۔''

کیا مطلب؟

سچ بولنے کی قوت ہمیشہ سچ سننے والوں سے ملتی ہے۔ تم سچ بول تو لیتے ہو لیکن سچ سن نہیں سکتے..... یہ تمہاری کمزوری ہے سیدھی۔''

''تمہیں غلط اندازہ ہوا ہے..... مجھ میں سچ سننے کی اہلیت ہے۔''

ہے؟..... سرمہ لگی آنکھیں مٹکا کر اس نے پوچھا۔

ہے۔''

''سیمی کے خلاف بھی؟.....'' اس نے شرارت سے پوچھا۔

''ہاں اس کے خلاف بھی۔''

''کل بولو گے میرے ساتھ..... سچ سننے کے بعد۔''

''ضرور''

اچھا..... اب سنو تم درمیانے قد کے دبلے پتلے مرد نما لڑکے ہو۔ تمہاری مونچھیں تمہارے چہرے پر نہیں سجتیں۔ تمہارے بالوں سے خشکی جھڑتی رہتی ہے جو تمہاری کوٹ کے کالروں پر بری لگتی ہے۔ تمہارے بڑھے ہوئے ناخن گندے ہوتے

ہیں۔تمہارا مزاج ایسا ہے جیسے راکھ جلتے کوئلے پر چڑھی ہو..... اوپر سے بجھے ہوئے اندر سے جلا دینے والے..... ہر وقت کتابیں پڑھ پڑھ کر تم نیم پاگل فلسفی ہو گئے ہو۔"

میں نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

وہ میری سخت گرفت کے نیچے کسمسائی۔

"پتہ نہیں کیوں میں نے تمہارے پاس آجاتی ہوں قیوم..... مجھے پتہ بھی ہے کہ یہ جائز نہیں..... حرام ہے پتہ نہیں مجھے بچے کی تلاش لاتی ہے کہ اپنی تنہائی..... پتہ نہیں میں تمہیں چپ کرانے آتی ہوں کہ اپنے آپ کو؟"

یکدم اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

میں نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور اپنے ہونٹ اس کی گال پر رکھ دیے۔

"ناں قیوم! یہ گناہ ہے..... میں نے توبہ کر لی ہے۔"

"کس بات کی۔"

"بس کسی بات کی..... ایسے بچے کا بھی کیا فائدہ۔"

وہ چپ چاپ بستر سے اٹھ گئی۔ چھناکے سے مونگ پھلیوں کا لفافہ فرش پر گر گیا۔

اب عابدہ نے کوٹھے پر آنا بالکل چھوڑ دیا۔میری نوکری نئی تھی۔اس لیے میں نے پوری توجہ سے ریڈیو سٹیشن پر وقت گزارنا شروع کر دیا۔

صبح شیو کرتا تو بار بار بالوں میں برش پھیرتا۔ پتہ نہیں کیوں عابدہ نے میرا جو سچا سراپا بیان کیا تھا۔اس سے مجھے شرم آنے لگتی تھی، سردی اب کم ہو گئی تھی۔ میں بھی ماضی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے بہت سی کتابیں خرید لایا تھا..... "اپنے آپ کو بدل ڈالو۔"

"تم اور تمہارا مستقبل" ..... "بدلنے کے بائیس گر" ..... اس نوعیت کی ان گنت امریکی کتابیں ریڈیو سے واپسی پر اب میرے ساتھ ہوتیں۔ میں یوگا سے کھل کر کچھ دنوں ٹی ایم کے چکر میں پڑا رہا۔ Relax کرنے کا یہ ڈھنگ کچھ دنوں مجھ پر سوار رہا۔ پھر میں نے یہ راستہ بھی چھوڑ دیا۔ لمبے سائنس، تپسیا، منتر، زن بدھی زم ..... سب بیکار باتیں تھیں ..... میں اپنی انا کی پوست میں سمٹا ہوا تھا، مجھے ہر جگہ اپنے آپ ہی سے لڑنا تھا۔ عابدہ سے میرا کوئی ناطہ نہیں تھا۔ لیکن اس نے مجھے اپنی صحبت کی ہڈی پر سیدھا یا ہوا تھا۔ میں اس کی محبت میں مبتلا نہیں تھا۔ لیکن اس کی رفاقت سے اس قدر ہل گیا تھا کہ اگر وہ دو چار دن اور اوپر نہ آتی تو از سر نو مجھے چاند میں بونے کھیلتے نظر آتے اور آنگن میں دن چھپنے پر سیمی بیٹھی نظر آتی۔

اس روز میں نے پہلا دیہاتی پروگرام پروڈیوس کیا تھا۔ مجھے ہلکی سی خوشی محسوس ہو رہی تھی۔ نئے کام کی نئے ماحول اور نئے تعلقات کی خوشی ..... مجھ پر خوشی ایسے ہی چڑھی ہوئی تھی۔ جیسے آلو بخارے پر ہلکی سی دھند نما موم چڑھی ہوتی ہے۔ بھائی مختار کا موٹر سائیکل میں نے آنگن میں رکھا۔ میرا جی چاہتا تھا کہ عابدہ کو دیہاتی پروگرام کے متعلق سب کچھ بتاؤں جو کچھ وہ سمجھ سکے وہ بھی اور جو کچھ وہ سمجھ نہ سکے وہ بھی۔

آنگن میں بھابھی صولت، عابدہ اور ایک اجنبی بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ اجنبی کے چہرے پر تکبر، سر پر ہلکا سا گنج اور جوتے کی پالش میں مڈل کلاس زندگی کا عکس تھا۔ پتہ نہیں یہ اجنبی مجھے کیوں برا لگا۔ مجھے بھابھی نے آواز دی لیکن میں ہمیشہ کی طرح ان سنی کر کے اوپر آ گیا۔

میرے کمرے میں چائے کا ٹرے اور مونگ پھلیوں کا لفافہ پڑا تھا۔ میں کرسی پر بیٹھ کر عابدہ کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن گھنٹہ بھر بعد میں نے اپنے لیے چائے بنائی اور پھر اسے ٹھنڈی ہونے کے لیے چھوڑ دیا۔ نئے پرانے زخم آہستہ آہستہ کھل رہے تھے، کئی سوال؟ ..... جو کچھ دن سے مجھے ستاتے نہ تھے آج دوبارہ پوری آب و تاب سے